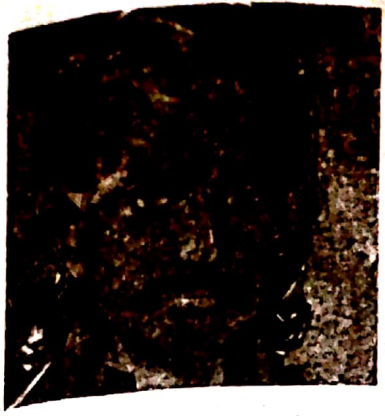

شکست کی آواز

میراجی

(1912ء-1949ء)

تعارف:

زندگی کے حالات: اصل نام محمد ثناءاللہ ڈار اور تخلص میراجی تھا۔ اُن کے آباؤ اجداد کا تعلق کشمیر سے تھا جو ڈوگرہ راج میں ہجرت کر کے گوجرانوالہ میں آباد ہو گئے تھے جب کہ میراجی کی پیدائش لاہور میں ہوئی۔ چوں کہ اُن کے والد منشی مہتاب الدین ریلوے میں ملازم تھے اور مختلف مقامات پر ڈیوٹی انجام دیتے رہے اس لیے میراجی باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ میٹرک کا امتحان بھی پاس نہ کر سکے لیکن مطالعے کا شوق جنون کی حد تک تھا اور وہ اپنے طور پر مطالعہ کرتے رہے۔

حلقہ ارباب ذوق اور میراجی: اس عرصے میں لاہور میں حلقۂ اربابِ ذوق کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ حلقے کے قیام کے چار سال بعد میراجی اس میں شامل ہوئے۔ اُن کی شمولیت سے حلقے میں جان پڑ گئی۔ میراجی حلقے کے سرگرم کارکن اور منتظم رہے ہیں۔ وہ حلقے کے قواعد و ضوابط کی خود بھی پابندی کرتے اور دوسروں سے بھی کرواتے۔

میراجی کی نظم: میراجی کی ساری عمر محرومیوں میں گزری جس کا مداوا اُنھوں نے شاعری میں تلاش کیا۔ اُنھوں نے اُردو نظم کو چکا چوند روشنی سے نکال کر نیم روشن سایوں سے متعارف کرایا۔ وہ اپنی شاعری میں زندگی کی مکمل اور واضح تصویر کی بجائے ایسے دائرے اور خطوط بناتے ہیں کہ واضح ہونے کے باوجود بھی اُس پر ابہام کا پردہ پڑا رہتا ہے۔

ادبی خدمات: مغربی شعرا کے مطالعے سے اُنھیں جدید شاعری میں نئے تجربات کرنے کا خیال آیا اور یہ تجربات کامیاب رہے۔ اُنھوں نے ان تجربات کو "ادبی دُنیا" اور حلقہ ارباب ذوق میں پروان چڑھایا۔ وہ ایک ایسے شاعر ہیں جس کی جڑیں اپنی دھرتی میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نظموں میں ہندوستانی تہذیب کا ارضی پہلو نمایاں ہے۔ اُنھوں نے نظم کو خارجی حقیقت نگاری سے نکال کر انسانی باطن میں اُتارا اور نظم کی ایک سطحی معنویت کو ہمہ جہت بنایا۔

مجموعہ ہائے کلام: میراجی کے گیت، میراجی کی نظمیں، گیت ہی گیت، تین رنگ، پابند نظمیں

نظم کا تعارف:

نظم "شکست کی آواز" میراجی ایک پابند نظم ہے۔ میراجی کا شمار جدید اُردو نظم کے بانیوں میں سے ہوتا ہے۔ اس نظم میں شاعر اپنی مجبوری اور بے بسی کا اظہار کرتا ہے کہ اگرچہ اس کے خواب اور آرزوئیں بہت بلند ہیں لیکن وہ خود کو بے بس اور محدود پاتا ہے۔ یہی وہ شکست ہے جس کی آواز ہمیں اس نظم میں سنائی دیتی ہے۔

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

Geniusesthub.com

CamScanner

لغت و توضیحات

تعارف (صفحہ نمبر 203)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
حلقۂ اربابِ ذوق	ایک ادبی انجمن	منتظم	انتظام سنبھالنے والا
قواعد و ضوابط	قانون، اصول	مداوا	علاج
چکا چوند	تیز روشنی جس سے آنکھیں چندھیا جائیں	نیم روشن	روشنی اور تاریکی دونوں سے ملا جلا
ادبی دنیا	ایک رسالہ	دھرتی	زمین
ارضی پہلو	زمین سے جڑنے والا پہلو	خارجی حقیقت نگاری	اپنی ذات سے باہر کی حقیقتیں بیان کرنا
انسانی باطن	انسانی ذات کے اندر	سطحی معنویت	جس معنی میں گہرائی نہ ہو
ہمہ جہت	بہت سے پہلو رکھنے والا		

اشعار کی تشریح

(۱-۲)

اُمنگوں نے مرے دل کو عجب اُلجھن ڈالا ہے — سمجھتا ہے کہ جو کام ہے وہ کرنے والا ہے
یہ کہتا ہے نئے رستے دکھاؤں میں سواروں کو — یہ کہتا ہے کہ لے آؤں فلک سے ماہ پاروں کو

لغت: اُمنگوں: خواہشوں، آرزوؤں۔ الجھن: پریشانی۔ فلک: آسمان۔ ماہ پاروں: چاند کے ٹکڑے مراد مراد ستارے

مفہوم: آرزوؤں نے میرے دل کو عجیب الجھن میں ڈال رکھا ہے کہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ہر کام کر سکتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ میں لوگوں کو نئے راستے دکھاؤں اور آسمان سے ستارے توڑ لاؤں۔

تشریح

نظم ''شکست کی آواز'' میرا جی ایک پابند نظم ہے۔ میرا جی کا شمار جدید اُردو نظم کے بانیوں میں سے ہوتا ہے۔ اس نظم میں شاعر اپنی مجبوری اور بے بسی کا اظہار کرتا ہے کہ اگرچہ اس کے خواب اور آرزوئیں بہت بلند ہیں لیکن وہ خود کو بے بس اور محدود پاتا ہے۔ یہی وہ شکست ہے جس کی آواز ہمیں اس نظم میں سنائی دیتی ہے۔

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ بحث جزو میں شاعر اپنے دلی احساسات اور کیفیات کو بیان کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے دل میں بہت سی آرزوئیں اور خواہشیں موجود ہیں۔ یہ تمنائیں اس کے دل کو ہمیشہ بے چین رکھتی ہیں۔ یہ آرزوئیں بڑے بڑے کام کرنے کی ہیں۔ ان آرزوؤں اور تمناؤں نے اس کے دل کو عجیب کشمکش میں ڈال رکھا ہے۔ یہ اس کے دل میں ہر وقت بے چینی اور بے قراری پیدا کرتی ہیں۔ یہ اسے مجبور کرتی ہیں کہ وہ بڑے سے

Geniusnesthub.com
CamScanner

بڑے کام کرنے کے لیے تیار ہو۔ یہ اسے ہر مشکل کام کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ یہ آرزوئیں اور تمنائیں کسی حد کو نہیں جانتیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ انسان ہر کام کر سکتا ہے۔ یہ اسے آگے بڑھنے پر اکساتی ہیں۔ یہ ایسے خیال دل میں پیدا کرتی ہیں کہ انسان کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔

شاعر کے دل نے اسے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ یہ اسے کہتا ہے کہ وہ چلنے والوں کو نئے راستے دکھائے اور ان کی رہنمائی کرے۔ وہ انھیں پرانے اور گھسے پٹے راستوں سے ہٹا کر نئے راستوں اور منزلوں کی خبر دے۔ عام طور پر یہ کیفیت ان لوگوں میں ہوتی ہے جو انقلابی ذہن رکھتے ہیں۔ جو معاشرے کی پرانی اقدار کو بدلنا چاہتا ہیں۔ شاعر کا دل بھی اس میں ایسی ہی تمنائیں پیدا کرتا ہے۔ وہ اسے اس مشکل کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ اسے آسمان سے ستارے توڑ لانے کا کہتا ہے جو ناممکن کاموں کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جسے عام لوگ ناممکن سمجھتے ہیں لیکن اس کا دل اسے اکساتا ہے کہ وہ اس ناممکن کو ممکن بنا کر دکھائے۔ اسی طرح لوگوں کو نئے راستوں پر چلانا بے حد مشکل ہے۔ لوگ پرانے طور طریقوں اور رسم و رواج کے بندھنوں میں بندھے ہوتے ہیں۔ انھیں توڑنا کسی طور بھی آسان نہیں ہوتا۔ ان کے لیے نئے راستوں اور نئی باتوں کو قبول کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اسی لیے اقبال نے کہا تھا:

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا — منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

شاعر بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا دل اسے ایسے مشکل راستے پر چلا رہا ہے جو ناممکنات اور مشکلات کی دھند میں لپٹا ہوا ہے۔ غرض شاعر دنیا میں بڑے بڑے کام کرنے کے خواب دیکھتا ہے۔ اس کے ارادے آسمانوں سے بلند ہیں۔ اس کی منزلیں آسمانوں سے پرے ہیں۔ وہ جس دنیا کے خواب دیکھتا ہے، عام آدمی ان کے بارے میں سوچتا بھی نہیں ہے۔

(۵-۴-۳)

یہ کہتا کہ صحراؤں کی دری طے کروں پل میں — حقیقت میں، یہ احساسِ شعوری طے کروں پل میں

جہانِ نو کو دیکھ آؤں جو ہے قلبِ سمندر میں — بیانِ سنگ پالوں منجمد ہے کوہ کے سر میں

یہ کہتا ہے کہ ساری کائنات اک ذرہ بن جائے — جو ہے لا انتہا وقفہ وہ بس اک لمحہ بن جائے

لغت: پل میں: ایک لمحے میں۔ احساسِ شعوری: خیال۔ جہانِ نو: نئے جہان۔ قلبِ سمندر: سمندر کی گہرائی۔ بیانِ سنگ: پتھروں کی باتیں مراد پہاڑ کی چوٹی۔ لا انتہا: جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔

مفہوم: یہ دل کہتا ہے کہ مجھے صحراؤں کو ایک لمحے میں پار کرنا چاہیے اور جو ذہن میں آئے، اسے پا لینا چاہیے۔ میں سمندر کی گہرائیوں میں نئے جہان تلاش کروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو مسخر کروں۔ یہ کہتا ہے کہ ساری کائنات میرے سامنے ایک ذرہ بن جائے اور وقت میرے لیے بس ایک لمحہ بن جائے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر جزو میں شاعر اپنے دلی جذبات اور کیفیات کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کا دل بہت سے خواب دیکھتا ہے۔ یہ ایسے ایسے امکانات کی بات کرتا ہے جو مشکل اور ناممکن نظر آتے ہیں۔ یہ اس کے دل میں ایسی ایسی آرزوئیں اور تمنائیں پالتا ہے جنھیں پورا کرنا بے حد دشوار ہے۔ پہلے شعر میں شاعر اپنے دل کی ایسی ہی امنگوں کا حال بیان کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اس کا دل اسے صحراؤں کو ایک لمحے میں پار کر لینے کی

Geniusnesthub.com

تڑپ پیدا کرتا ہے۔ اب یہ ایک ایسا خیال ہے جو ناممکن نظر آتا ہے۔ صحرا کی وسعت ہمیشہ سے انسان کے لیے ایک مشکل مد مقابل رہی ہے۔ شاعر کا دل ہر شے کو پا لینے کی تڑپ پیدا کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ شاعر کے دل میں آتا ہے، وہ حقیقت بن جائے، وہ اسے پا لے۔ بہزاد لکھنوی نے کہا تھا:

اے جذبہ دل گر میں چاہوں، ہر چیز مقابل آجائے　　منزل کے لیے دو گام چلوں اور سامنے منزل آجائے

(مقابل: سامنے۔ دو گام: دو قدم)

شاعر کا دل اسے ابھارتا ہے کہ وہ سمندر کے تہوں میں نئی دنیائیں دریافت کرے اور پہاڑ کی چوٹی پر جمی ہوئی برف کی تہوں میں پتھر حاصل کرے۔ اگرچہ یہ سب کچھ بہت مشکل ہے لیکن اس کا دل کسی حد اور مشکل کو نہیں جانتا۔ شاعر جانتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنا بہت جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس کے لیے اسے سخت جدو جہد اور کوشش کرنی پڑے گی۔ اسے ہمت اور ارادے کے پل باندھنے پڑیں گے۔ اسے عزم اور استقلال کی نئی داستانیں رقم کرنی پڑیں گیں۔ یہ سب کچھ حاصل کر لینا آسان نہیں ہے۔ لیکن شاعر کا دل یہ آرزوئیں اور تمنائیں اس کے دل میں پیدا کرتا ہے۔ اور ان سب نے اسے سخت مشکل میں ڈال رکھا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انھیں پا لینا آسان نہیں ہے۔ اس سفر میں سخت راستے اور منزلیں درپیش ہیں لیکن اس کا دل اس کی بات سننے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ یہی وہ الجھن ہے جس کا ذکر اس نے پہلے شعر میں کیا تھا۔ بقول حفیظ جالندھری:

ارادے باندھتا ہوں سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں　　کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے

تیسرے شعر میں شاعر اپنے دل کی ایک اور تمنا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ذرہ بن جائے۔ یہ تڑپ دراصل کائنات کی تسخیر کی خواہش ہے۔ کائنات جو اربوں کھربوں کہکشاؤں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں اربوں ستاروں کا مجموعہ ہے۔ لیکن اللہ قرآن میں کہتا ہے کہ یہ ساری کائنات اس نے انسان کے لیے پیدا کی ہے تاکہ وہ اسے تسخیر کرے۔ لیکن یہ تسخیر سخت جدو جہد اور ہمت کی متقاضی ہے۔ لیکن اس کا دل یہ مشکل آرزوئیں بھی پیدا کرتا ہے۔ وہ اسے اس مشکل راستے پر چلنے کے لیے ابھارتا ہے۔ شاعر کا دل چاہتا ہے کہ یہ وقت جو ازل سے ابد تک پھیلا ہوا ہے، جس میں ہزاروں لاکھوں زمانے موجود ہیں، جو اربوں سالوں پر محیط ہے، وہ اسے کے لیے بس اک لمحہ بن جائے۔ وہ وقت پر دسترس حاصل کر لے جو بظاہر ناممکن نظر آتا ہے لیکن شاعر کا دل ایسے ہی ناممکن امکانات کی تڑپ پیدا کرتا ہے۔ یہ وہ بلند اور نچے ارادے ہیں جو شاعر کا دل تمناؤں اور آرزوؤں کی صورت تشکیل دیتا ہے۔ یہ سب شاعر کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں کچھ منفرد کام کرے، دنیا کی تقدیر کو بدل دے اور زمانے کا رخ بدل دے۔ اکبر الہ آبادی نے ایسے ہی لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا:

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو　　مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

(۶-۷)

مگر اُنچے ارادے ہیں تو کیا، اُنچے ارادوں کو　　سمجھنے کا نہیں احساس حاصل سیدھے سادوں کو
جہاں میں سیدھے سادے آدمی کثرت سے بستے ہیں　　ہے محدود اُن کی ہمت اور محدود اُن کے رستے ہیں

لغت: سیدھے سادوں: وہ لوگ جو ذہین یا تخلیقی نہ ہوں۔

مفہوم: دل میں اونچے ارادے تو ہیں لیکن دنیا کے سیدھے سادے لوگ ان ارادوں کو سمجھ نہیں پاتے ہیں اور دنیا میں یہی سیدھے سادے لوگ ہی کثرت سے ہیں جن کی ہمتیں اور راستے محدود ہیں۔

Geniusnesthub.com
CamScanner

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر جزو میں شاعر دنیا کے لوگوں کی پست ہمتی اور سادگی کو بیان کر رہا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ اس کے دل میں بے شمار امنگیں اور آرزوئیں موجود ہیں، جو اسے ہمیشہ بے چین رکھتی ہیں۔ جو اسے آسمان سے ستارے توڑ لانے پر مجبور کرتی ہیں اور نئی دنیائیں دریافت کرنے پر ابھارتی ہیں لیکن وہ افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگرچہ اس کے ارادے بہت اونچے اور بلند ہیں، لیکن دنیا کے سیدھے سادے لوگ اس کے ارادوں کو سمجھنے سے محروم ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل ان تمناؤں اور آرزوؤں سے محروم ہیں۔ وہ کولہو کے بیلوں کے طرح بس ایک دائرے میں گردش کرتے رہتے ہیں اور کبھی اس دائرے سے باہر نکل کر سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ وہ لوگ بڑے بڑے خواب نہیں دیکھتے۔ ان کے نزدیک زندگی صرف گزارنے کا نام ہے۔ وہ پیدا ہوتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، بڑے ہوتے ہیں اور آخر ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس لیے شاعر بڑے ہی دکھ کے ساتھ اپنے خوابوں کا ذکر کرتا ہے کہ عام لوگوں انھیں سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے منشی امیر اللہ تسلیم نے کہا تھا:

صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے　　عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

(نوٹ: اس شعر کا دوسرا مصرع غلط اور بے وزن طور پر اس طرح مشہور ہے: زندگی یوں ہی تمام ہوتی ہے)

دوسرے شعر میں شاعر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دنیا کے لوگوں کی اکثریت انھی سیدھے سادے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسانوں کی اکثریت کولہو کے بیل کی طرح زندگی گزارتی ہے۔ ان کی زندگی پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک صرف کھانے پینے کا نام ہے۔ ان کے خواب بھی اسی دائرے کے گرد کے گھومتے ہیں، جس پر وہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ان کا سب کچھ صرف اپنی جسمانی ضروریات کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ وہ حیوانوں کی طرح اپنی جسمانی ضروریات کی فکر میں رہتے ہیں اور اللہ نے انھیں جو طاقت، اختیار، قدرت اور تخلیقی قوت دی ہے، اس سے کام لینا گوارا نہیں کرتے۔ ان کی ہمتیں محدود ہوتی ہیں۔ وہ پست ہمت اور حوصلہ ہوتے ہیں۔ ان کے راستے بھی محدود ہوتے ہیں۔ ان کے لیے ان گھسے پٹے راستوں سے ہٹ کر چلنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ دنیا میں وہ لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو بڑے بڑے خواب دیکھتے ہیں اور انھیں پورا کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ وہ لوگ نایاب ہوتے ہیں جو ستارے توڑ لانے اور سمندر کی تہوں سے نئی دنیائیں دریافت کرنے کی تمنا کرتے ہیں۔ جو نئے راستے اور نئی منزلیں دریافت کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شاد عظیم آبادی نے کہا تھا:

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم　　جو یاد نہ آئے بھول کے پھر، اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

(۸-۹)

تمدن اور تہذیبوں نے پھندا اُن پہ ڈالا ہے　　وہ کہتے ہیں کہ ہونا ہے وہی جو ہونے والا ہے
بدل کر کیا کریں گے ہم طریقے آج قدرت کے　　ہمارے دامنوں پر ہاتھ کل ہوں گے مشیت کے

لغت: تمدن اور تہذیبوں: رہن سہن، رسم و رواج، معاشرتی اقدار۔ پھندا: مراد جال میں پھنسا رکھا ہے، باندھ رکھا ہے۔ مشیت: تقدیر الٰہی۔

مفہوم: سادہ لوگوں کو پرانے معاشرتی رسم و رواج نے باندھ رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو ہونا ہے وہ ہو کے رہے گا اور اگر ہم ان طور طریقوں کو بدل بھی دیں گے تو کل تقدیر انھیں گھیر لے گی۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر جزو میں شاعر سادہ دل لوگوں پر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اپنی کم ہمتی کو تقدیرِ الٰہی کا نام دے کر فرار حاصل کرتے ہیں۔ شاعر پہلے اس چیز کا اظہار کر چکا ہے کہ اس کا دل اس میں ایسی آرزوئیں اور تمنائیں پیدا کرتا ہے جو ناممکن اور مشکل نظر آتی ہیں۔ اسی چیز نے اس کے دل میں الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ لیکن وہ جب انسانوں کی اکثریت کی طرف دیکھتا ہے تو اسے وہ لوگ سیدھے سادے دکھائی دیتے ہیں جو ان خوابوں کو سمجھنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ جن کے ارادے اور ہمتیں پست ہیں۔ شاعر انھی لوگوں کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں رسم و رواج اور باپ دادا کی اندھی پیروی نے باندھ رکھا ہے۔ یہ لوگ ان راستوں سے ہٹ کر چلنے کا سوچتے بھی نہیں ہیں جن پر ان سے پہلے لوگ چلتے رہے ہیں۔ وہ اپنی معاشرتی ضابطوں اور رسم و رواج کے قیدی بن چکے ہیں۔ وہ ہر اپنی کم ہمتی اور بزدلی کو تقدیر کا نام دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ان کے ساتھ بیت رہا ہے، وہ جس جہالت اور پستی کا شکار ہیں، یہ سب ان کی تقدیر ہے جسے ہو کر رہنا ہے۔ وہ اس پستی سے نکلنے کی کوشش بھی نہیں کرتے ہیں۔ اکبر حیدر آبادی نے ایسے لوگوں کا حال کچھ یوں بیان کیا تھا:

ہمت والے پل میں بدل دیتے ہیں دنیا کو　　سوچنے والا دل تو بیٹھا سوچا کرتا ہے

دوسرے شعر میں شاعر ان کی محدود سوچ بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے راستے اور طریقے بدل کر کیا کریں گے۔ ان کے خیال میں باپ دادا کے بنائے راستے پر چلنا ہی تقدیرِ الٰہی ہے۔ وہ نئی سوچ اور نئے راستوں سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا قرآن تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب ان کے سامنے حق بیان کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے باپ دادا کے راستوں سے نہیں ہٹیں گے۔ یا ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ کیا ہمارے باپ دادا غلط تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کوئی بھی انسان غلط ہو سکتا ہے، حق صرف وہ ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔ اس طرح وہ اپنے باپ دادا کی جہالت پر چلتے رہتے ہیں۔ شاعر بھی سمجھتا ہے کہ یہ لوگ نئے راستوں سے خوف زدہ ہیں۔ انھیں یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ اگر وہ پرانے طور طریقوں اور راستوں کو بدل دیں گے تو قدرت ان سے انتقام لے گی۔ ان کے دل نئی امنگوں اور راستوں کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے۔ اور یہی شاعر کی سب سے بڑی الجھن بھی ہے۔ اس کا دل تو آسمان سے ستارے توڑ لانے کے خواب دیکھتا ہے لیکن اس کے اردگرد موجود لوگوں کے لیے یہ جرم ہے۔ اس کا دل تو نئے راستوں اور نئی منزلوں کی آرزوئیں اور تمنائیں پالتا ہے لیکن اس کے زمانے کے لوگ پرانے راستوں پر چلنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ گویا اس کی کیفیت اس قید پرندے جیسی ہے جو ضبط کرتا ہے تو دم گھٹتا ہے اور آہ کرتا ہے تو اسے قید کرنے والا خفا ہو جاتا ہے۔ بقول قمر جلالوی:

ضبط کرتا ہوں تو گھٹتا ہے قفس میں مرا دم　　آہ کرتا ہوں تو صیاد خفا ہوتا ہے

(قفس: پنجرہ۔ دم: سانس۔ صیاد: شکاری، قید کرنے والا)

(۱۰-۱۱-۱۲)

اُنھیں تسکین ہے پہلی لکیروں کی فقیری میں　　یہ کھوئے ہیں تمنا کی ضعیفی اور پیری میں
میں اُن کو دیکھتا ہوں دل پہ ہوتا ہے اثر اُن کا　　میں اک مظلوم ہوں ماحول کے اس جذبِ ساکن کا
مگر ہاں باوجود اس کے مرے دل میں جوالا ہے　　اُمنگوں نے مری ہستی کو اک اُلجھن میں ڈالا ہے

لغت: تسکین: تسلی۔ لکیروں کی فقیری: پرانے راستے پر چلنا۔ تمنا کی ضعیفی: کم ہمتی۔ پیری: بڑھاپا، کمزوری۔ جذبِ ساکن: رکے ہوئے

زمانے کی کشش۔ جوالا: آگ، شعلہ۔

مفہوم: یہ لوگ لکیر کے فقیر بنے مطمئن ہیں۔ یہ اپنی کم ہمتی اور کمزوری میں گم ہیں۔ میں جب انھیں دیکھتا ہوں اور ان کی باتوں کا میرے دل پر بھی اثر ہوتا ہے اور میری ہمت کمزور پڑ جاتی ہے لیکن اس کے باوجود میں جو آگ میرے دل میں جل رہی ہے، ان تمناؤں نے میرے دل کو سخت الجھن میں ڈال رکھا ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر جزو میں شاعر زمانے کی اکثریت کی کم ہمتی اور بزدلی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کا اثر اس کے دل پر بھی ہوتا ہے لیکن اس کے دل میں تمنائیں اسی طرح مچلتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ اس کے دل میں بہت سی تمنائیں اور خواب ہیں لیکن زمانے کے لوگ کم ہمت ہیں۔ وہ صرف ایک دائرے کے مسافر ہیں جس سے ہٹ کر چلنے کی وہ کوشش بھی نہیں کرتے۔ شاعر ان کی نفسیاتی حالت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ لوگ اندھی تقلید پر مطمئن رہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ لکیر کے فقیر بنے رہتے ہیں۔ وہ نئے نئے راستوں پر چلنا ہی نہیں چاہتے۔ وہ اپنے باپ دادا کے بنائے ہوئے راستوں سے انحراف کرنا گناہ تصور کرتے ہیں۔ یہ اپنے دل کو اسی تقلید پر مطمئن رکھتے ہیں۔ لیکن شاعر کے مطابق دراصل یہ ان کی کم ہمتی اور بزدلی ہے جسے وہ تقلید کے پردے میں چھپاتے ہیں۔ چوں کہ نئے نئے راستوں پر چلنا اور نئی منزلوں کو سر کرنا ہمیشہ مشکل اور دشوار ہوتا ہے، اس لیے یہ لوگ نئے راستوں پر چلنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ وہ کولہو کا بیل بنے رہنے ہی میں خود کو محفوظ خیال کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

تھے تو آبا وہ تمھارے ہی مگر تم کیا ہو ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

(ہاتھ پر ہاتھ دھرے: ہاتھ پر ہاتھ رکھے، بے عمل ہو کر۔ منتظرِ فردا: کل کا انتظار کر رہے ہو کہ کوئی آئے گا اور حالت بدلے گا)

دوسرے شعر میں شاعر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ اس کے اردگرد یہی لوگ آباد ہیں جو کم ہمت اور بزدل ہیں۔ ان کے خیالات کی وجہ سے جو ماحول تشکیل پاتا ہے، وہ بھی جامد اور رکا ہوا ہے۔ اس ماحول میں نئی سوچ جنم ہی نہیں لیتی۔ لوگ خواب دیکھنا گناہ تصور کرتے ہیں۔ وہ نئے راستوں پر چلنا ہی نہیں چاہتے۔ ان کی کم ہمتی سے جو فضا بنتی ہے، اس فضا میں سانس لینے والے بھی کم ہمت اور بزدل ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے شاعر اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ جب وہ بھی ان لوگوں کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے تو ان کی رکی ہوئی جامد سوچیں، اس کے دل کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ یہ سوچیں اس کے اندر بھی کم ہمتی اور بزدلی پیدا کرتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اس ماحول کا مظلوم سمجھتا ہے جو اس کے بلند ارادوں کو کم ہمتی میں بدل دیتا ہے۔ یہ شاعر کے لیے ایک سوہانِ روح ہے۔ یہی وہ خوف ہے جو اس کے دل کو الجھائے رکھتا ہے۔ بقول حفیظ جالندھری:

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو جائے

تیسرے شعر میں شاعر اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ وہ جس دنیا میں رہتا ہے، وہاں رہنے والے لوگ کم ہمت اور بزدل ہیں۔ انھوں نے اپنی کم ہمتی اور بزدلی کو تقدیر اور تقلید کے پردے میں چھپا رکھا ہے۔ ان کی یہ سوچ شاعر کے دل کو بھی متاثر کرتی ہے اور اس میں کم ہمتی پیدا کرتی ہے لیکن پھر بھی اس کے دم میں آرزوؤں اور تمناؤں کی ایک آگ جل رہی ہے۔ یہ وہ شعلہ ہے جو کبھی بجھنے نہیں پاتا۔ یہ آگ اسے بڑے بڑے خواب دکھاتی ہے۔ اسے آسمان سے ستارے توڑ لانے پر مجبور کرتی ہے۔ اسے سمندر کی گہرائیوں سے نئی

دنیا میں دریافت کرنے پر اکساتی ہیں لیکن اس کے بلند ارادوں پر اس کے جامد ماحول کی اوس بھی پڑتی رہتی ہے۔ وہ لوگوں کی کم ہمتی اور بزدلی سے متاثر بھی ہوتا رہتا ہے۔ اسی چیز نے اس کے دل کو ایسی الجھن میں ڈال رکھا ہے جسے کا کوئی حل نظر نہیں آتا ہے۔ گویا ایک آگ جل رہی ہے جس میں شاعر دھیرے دھیرے بھسم ہو رہا ہے۔ اس کی کیفیت اس شاعر جیسی ہے جو گھر اور دشت کے درمیان بھٹک رہا ہے۔ بقول غلام حسین ساجد:

میری قسمت ہے یہ آوارہ خرامی ساجد　　دشت کو راہ نکلتی، ہے نہ گھر آتا ہے

مشق

سوال ۱: نظم کے مطابق درج ذیل سوالوں کے جواب دیں۔

ا۔ اس نظم کا مرکزی خیال لکھیں۔

جواب: اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ شاعر نئے راستوں، منزلوں اور قدروں کا دلدادہ ہے۔ لیکن اسے اپنے اردگرد ایسے لوگ دکھائی دیتے ہیں جو کم ہمت اور کم حوصلہ ہیں۔ وہ لکیر کے فقیر اور ہر چیز کو تقدیر کا لکھا سمجھ کا قبول کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ شاعر کے حوصلوں کو متاثر کرتے ہیں۔ اس لیے شاعر بلند حوصلے رکھنے کے باوجود کچھ نہ کر پانے کی الجھن میں گرفتار ہے۔

ب۔ شاعر اپنے دل کی کس امنگ کا ذکر کرتا ہے؟

جواب: شاعر کے مطابق اس کے دل میں یہ امنگ ہے کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ وہ نئے نئے راستے اور جہان دریافت کر سکتا ہے۔ اس کا دل ساری کائنات کو ذرہ اور وقت کو ایک لمحہ بن جانے کا شیدائی ہے۔

ج۔ آسمان سے کن کو لانے کی خواہش کا اظہار کیا گیا ہے؟

جواب: شاعر نے آسمان سے ماہ پاروں کو لانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

د۔ جہانِ نو کہاں واقع ہے؟

جواب: شاعر کے نزدیک جہانِ نو سمندر کے قلب یعنی گہرائیوں میں واقع ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ نیا جہان دریافت کرنا ایک بے حد مشکل اور قریب قریب ناممکن امر ہے۔

ہ۔ دنیا میں زیادہ تر لوگ کس قسم کے ہیں؟

جواب: دنیا میں زیادہ تر لوگ وہ ہیں جو سیدھے سادے ہیں۔ جن کی ہمت اور راستے محدود ہیں۔ وہ رسم و رواج کے پابند ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان طور طریقوں کو نہیں بدل سکتے کیوں کہ یہ سب تقدیر کے تابع ہیں۔ وہ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔ یہ کمزور ارادوں اور ہمت کے مالک ہیں۔

و۔ یہ خواہش کیوں کی گئی ہے کہ کائنات ایک ذرہ بن جائے؟

جواب: شاعر نے یہ خواہش اس لیے کی ہے کیوں کہ کائنات اپنی وسعتوں میں لامحدود ہے جو انسانی دسترس سے باہر ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ کائنات سمٹ کر ایک ذرہ بن جائے جو اس کی پہنچ میں ہو۔

ز۔ قدرت کے طریقے بدلنے میں کیا چیز حائل ہے؟

جواب: شاعر کے نزدیک کم ہمت اور کمزور لوگ کبھی بھی قدرت کے طور طریقوں کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ لگے بندھے طور

Geniusnesthub.com

CamScanner

طریقوں پر چلتے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ تقدیر کے تابع ہے۔ وہ سب کچھ مشیت الٰہی یعنی اللہ کی مرضی پر ڈال دیتے ہیں۔ جب کہ اللہ فرماتا ہے کہ اللہ تب تک اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہ کرے۔

۸۔ "لکیر کا فقیر" سے کیا مراد ہے؟

جواب: شاعر کے مطابق جو پہلے سے بنائے ہوئے راستوں پر چلتے رہتے ہیں۔ اور نئے نئے جہان دریافت کرنے اور نئے راستوں پر چلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کبھی پرانے رسم ورواج کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔

۹۔ شاعر کی ذات میں الجھاؤ کی کیا وجہ ہے؟

جواب: شاعر کے مطابق وہ بہت اونچے اونچے اور بلند ارادوں کا مالک ہے۔ وہ مشکل اور ناممکن کام سرانجام دینا چاہتا ہے۔ وہ نئے جہان دریافت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے اردگرد رہنے والے کم ہمت اور کم حوصلہ لوگ لگے بندھے راستوں پر چلتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہ تضاد اس کی ذات کا الجھاؤ بن چکا ہے۔

۱۰۔ اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

جواب: آرزوؤں نے میرے دل کو الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ لوگوں کو راستے دیکھاؤں اور ستارے توڑ لاؤں۔ میں صحراؤں کو پار کروں اور سمندر کی گہرائیوں سے نئے جہان تلاش کروں۔ یہ چاہتا ہے کہ وقت میرے لیے ایک لمحہ بن جائے۔ ارادے تو اُونچے ہیں لیکن دنیا کے سیدھے سادھے لوگ انھیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ لکیر کے فقیر اور تقدیر کے پابند ہیں۔ اُن کی باتوں کا میرے دل پر بھی اثر ہوتا ہے لیکن میرے دل کی آرزوؤں نے مجھے اُلجھن میں ڈال رکھا ہے۔

سوال2: **تشریح کریں:**

اُمنگوں نے مری ہستی کو اک اُلجھن میں ڈالا ہے　　　مگر ہاں باوجود اس کے مرے دل میں جو جوالا ہے

جواب: دیکھیے تشریح

سوال3: **"لکیر کا فقیر ہونا" محاورہ ہے۔ محاورہ کی تعریف کریں اور کوئی سے پانچ محاورات لکھیں۔**

جواب: جب دو یا دو سے زیادہ الفاظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوں اور ان میں ایک مصدر موجود ہو، تو اسے محاورہ کہا جاتا ہے۔ پانچ محاورے درج ذیل ہیں:

1۔ قسمت کا مارا جانا　　2۔ آنکھیں پتھرا جانا　　3۔ ڈیرے ڈالنا
4۔ خاک چھاننا　　5۔ خورد برد کرنا

اضافی مختصر سوال جواب

سوال۱: **شاعر کے خیال میں سیدھے سادے لوگ کون ہیں اور کیسے ہیں؟**

جواب: شاعر کے خیال میں دنیا کی اکثریت سیدھے سادے لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کولہو کے بیل کی طرح اپنی زندگی اک ہی دائرے میں گزار رہے ہوتے ہیں۔ ان کا شعور اعلیٰ وارفع مقاصد کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ ان کے نزدیک اونچے مقاصد رکھنا بے معنی سی چیز ہے۔ ان کی ہمتیں اور راستے محدود ہوتے ہیں۔

Geniusnestihub.com
CamScanner

سوال ۲: تمدن اور تہذیبوں نے سیدھے سادے لوگوں پر کیا پھندا ڈالا ہے؟

جواب: شاعر کے خیال میں سیدھے سادے لوگوں کو تہذیب و تمدن نے یہ پھندا ڈالا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے بنائے ہوئے طور طریقوں کے غلام ہیں۔ وہ تقدیر کے آگے خود کو بے بس سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں وہی ہوتا ہے جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے۔ وہ تدبیر اور تقدیر کے درست معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ انھیں یہ لگتا ہے کہ اگر وہ اپنی تدبیر سے کام لیں گے تو کوئی آفت نازل ہوگی۔

سوال ۳: سیدھے سادے لوگوں کو کس چیز میں تسکین ہوتی ہے؟

جواب: شاعر کے مطابق سیدھے سادے لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے پیچھے چلنے میں تسکین محسوس کرتے ہیں۔ وہ اپنے بزرگوں کے بنائی ہوئی لکیروں کے فقیر ہوتے ہیں۔ وہ آرزو اور خواب کی طاقت سے محروم ہوتے ہیں۔ وہ پرانے طور طریقوں کے بدلنے کا خواب ہی نہیں دیکھتے۔

سوال ۴: یہ نظم کی کون سی قسم ہے؟

جواب: یہ پابند نظم ہے۔ پابند نظم ایسی نظم کو کہتے ہیں کہ جس میں ردیف، قافیہ، وزن، بحر کا استعمال پابندی سے کیا جاتا ہے۔ اس میں قافیے ردیف کے استعمال کا انداز مثنوی جیسا ہے، جس کے ہر شعر ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتا ہے لیکن ہر شعر میں نیا قافیہ ردیف لایا جاتا ہے۔

اضافی کثیر الانتخابی سوالات

☆ ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات (ا، ب، ج، د) دیئے گئے ہیں، درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ میراجی کا سن پیدائش ہے؟

ا۔ ۱۹۰۹ ب۔ ۱۹۱۰ ج۔ ۱۹۱۱ د۔ ۱۹۱۲

۲۔ میراجی کا سن وفات ہے؟

ا۔ ۱۹۴۹ ب۔ ۱۹۵۰ ج۔ ۱۹۵۱ د۔ ۱۹۵۲

۳۔ میراجی کا اصل نام تھا؟

ا۔ ثناخان ب۔ نثار رشید ج۔ محمد ثناءاللہ ڈار د۔ محمد ڈار

۴۔ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق کہاں سے تھا؟

ا۔ کراچی ب۔ لاہور ج۔ فیصل آباد د۔ کشمیر

۵۔ میراجی باقاعدہ تعلیم نہ حاصل کر سکے کیوں کہ ان کے والد۔۔۔۔۔۔ کے محکمے میں ملازم تھے؟

ا۔ ٹیکس ب۔ ریلوے ج۔ فوج د۔ پولیس

۶۔ لاہور میں میراجی کس ادبی حلقے میں شامل ہوئے؟

ا۔ انجمن ترقی پسند ب۔ ادبی ذوق ج۔ حلقہ اربابِ ذوق د۔ انجمنِ ادب

Geniusnesthub.com

-7 میراجی کی ساری زندگی محرومیوں میں گزری، جس کا مداوا انھوں نے ۔۔۔۔۔۔۔۔ میں تلاش کیا؟

ا۔ شاعری ب۔ سیاست ج۔ کھیل د۔ تعلیم

-8 وہ ایک ایسے شاعر ہیں، جس کی جڑیں اپنی ۔۔۔۔۔۔۔ میں ہیں؟

ا۔ تعلیم ب۔ دھرتی ج۔ سیاست د۔ یادوں

-9 ان میں سے کون سی تصنیف میراجی کی ہے؟

ا۔ میراجی کے گیت ب۔ میراجی کی نظمیں ج۔ گیت ہی گیت د۔ ا، ب، ج تینوں

-10 ان میں سے کون سی تصنیف میراجی کی ہے؟

ا۔ تین رنگ ب۔ پابند نظمیں ج۔ حرف و حکایت د۔ ا اور ب دونوں

-11 نظم ''شکست کی آواز'' کس کتاب سے ماخوذ ہے؟

ا۔ میراجی کی نظمیں ب۔ پابند نظمیں ج۔ گیت ہی گیت د۔ میراجی کے گیت

جوابات

-1	د	-2	ا	-3	ج	-4	د	-5	ب
-6	ج	-7	ا	-8	ب	-9	د	-10	د
-11	ب								

Geniusnesthub.com
CamScanner